سیرت

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ

اور

نظام خلافت

مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

(صدر جمعیت پیام امن، لکھنؤ)

مکتبہ پیام امن

ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ، یوپی، الھند

جملہ حقوق محفوظ

نام	:	سیرت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور نظام خلافت
مصنف	:	مفتی محمد سرور فاروقی ندوی
ناشر	:	مکتبہ پیامِ امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ
اردو ایڈیشن	:	پہلی بار
تعداد کتب	:	۱۰۰۰
سال	:	۲۰۲۰ء
قیمت	:	۵۰

Writer : Mufti Mohd Sarwar Farooqui Nadwi

Publisher : Maktaba Payam-e-Amn, Nadwa Road,Daliganj,lucknow.

Website: www.islamicjpamn.com

E-Mail: tasneemlko2012@gmail.com, ataullah2012@gmail.com

Phone No. 9984490150, 9919042879

ملنے کے پتے

۱۔ مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ (لکھنؤ)	05222741539
۲۔ نیو سلور بک ایجنسی، 14 محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ممبئی	0522-27415
۳۔ الفرقان بکڈپو، نظیر آباد ۳ (لکھنؤ)	9936635816
۴۔ سبحانیہ بک ڈپو، نیا محلہ، جبل پور، مدھیہ پردیش	9424708020
۵۔ ستیہ فاؤنڈیشن 182-A 5 گرین لینڈ کیمپس، پوکھرپور، کانپور	9935044343
۶۔ مکتبہ شباب جدید، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
۷۔ مکتبہ شاہ ولی اللہ جامع مسجد، دیوبند	8439650526

فہرست

پیش لفظ ۶
مقدمہ ۸
امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰؓ کا تعارف ۱۱
اسلام لانے کا واقعہ ۱۲
مکی زندگی کے تیرہ سال ۱۳
کھانے کی دعوت کا انتظام ۱۴
رسول کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت ۱۵
جاں نثاری کی ایک مثال ۱۶
تعمیر مسجد میں حصہ ۱۷
غزوۂ بدر میں حصہ ۱۷
حضرت فاطمہؓ سے نکاح ۱۸
حضرت فاطمہؓ کی رخصتی ۱۹
حضرت فاطمہؓ کا جہیز ۱۹
حضرت علیؓ کا دعوت ولیمہ ۱۹
غزوۂ احد میں شرکت ۲۰
بنونضیر کے جلاوطن کے وقت علم ۲۰
غزوۂ خندق میں حضرت علیؓ کی بہادری ۲۱
بنوقریضہ سے مقابلہ ۲۱
بنوسعد کی سرکوبی ۲۱
صلح حدیبیہ کی تحریر ۲۲
فتح خیبر پر فوج کشی ۲۲
ایک شخص کی ہدایت ۲۳
مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں ۲۴
مقتولین کا معاوضہ ۲۶
غزوۂ حنین کا معرکہ ۲۶

اہلِ بیت کی حفاظت ۲۶
تبلیغ فرمانِ رسول ۲۷
یمن اور اشاعت اسلام ۲۷
حجۃ الوداع میں شرکت ۲۸
حضرت علیؓ کی تیمارداری ۲۸
خلیفۂ اول کی بیعت ۲۹
بیعتِ خلافت ۳۰
حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی ۳۱
عراق کا سفر ۳۲
حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ ۳۳
جنگ جمل ۳۵
حضرت علیؓ کی صلح کی دعوت ۳۸
معرکۂ صفین ۴۰
پانی کے لیے کشمکش ۴۰
مصالحت کی آخری کوشش ۴۱
آغاز جنگ ۴۱
خارجی فرقہ کی بنیاد ۴۷
تحکیم کا نتیجہ ۴۸
خوارج کی سرکشی ۵۰
معرکہ نہروان ۵۲
مصر کے لیے کشمکش ۵۳
بغاوتوں کا استیصال ۵۶
حضرت امیر معاویہؓ کا طریق عمل ۵۶
کرمان وفارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا ۵۷
فتوحات ۵۸
حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش ۵۸
خلافت مرتضوی پر ایک نظر ۶۱

رعایا کے ساتھ شفقت ۶۳
فوجی انتظامات ۶۴
مذہبی خدمات ۶۴
سزائیں ۶۶
خصائل ۶۶
قضا اور فیصلے کی صلاحیت ۶۹
امانت و دیانت ۶۹
حضرت علیؓ کا زہد و تقویٰ ۷۰
حضرت علیؓ کی عبادات ۷۲
اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا جزبہ ۷۳
حضرت علیؓ کا تواضع ۷۴
حضرت علی کی شجاعت ۷۴
حضرت علیؓ کی خانگی زندگی ۷۵
حضرت علیؓ کی غذا و لباس ۷۷
حضرت علیؓ کا حلیہ ۷۸
حضرت علیؓ کی ازواج و اولاد ۷۸

❁❁❁

پیش لفظ

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم
مہتمم: دار العلوم ندوۃ العلماء و مدیر: البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ، الہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين، أما بعد:

دعوت دین امت کے ذمہ ایک اہم فریضہ ہے، یہ امت چونکہ تمام امتوں میں بہترین امت ہے، اس کی بہتری کی وجہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتادی ہے کہ یہ پوری انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے برپا کی گئی ہے، اس امت کے داعی اولی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ذریعہ تیار کردہ نسل نے پوری انسانی برادری کی فکر کی، یہی وجہ ہے کہ بہت کم مدت میں وہ دنیا کے اطراف واکناف پر چھا گئے اور لاکھوں انسانوں کی ہدایت کا سبب بنے، اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کو اس طرح قبول کیا کہ قیامت کے لئے ان کو نمونہ بنادیا۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی اسی فکر کے ساتھ اقوام عالم کے درمیان آتی رہیں اور معاشرہ کے متنوع عناصر کی ہدایت کا ذریعہ بنیں، یہی وجہ ہے کہ یہ دین آج ہم تک پہونچا اور ہم اس کی تعلیمات سے واقف ہو کر اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کسی حد تک اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

دین کے پہونچانے کے لئے ہر زمانہ اور ہر دور میں نئے نئے طریقہ اختیار کئے جاتے رہے، بنیادی طور پر زبان اور قلم کو استعمال کر کے اس فریضہ کو انجام دیا جاتا رہا، زبان کے ذریعہ جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ وقتی اور فوری طور پر اثر انداز ہوتی ہیں، لیکن اس سے دو سرے افراد جو وہاں موجود نہیں ہیں، محروم رہتے ہیں، لیکن قلم کے ذریعہ جو باتیں کاغذ پر لکھ دی

جاتی ہیں اور کتابوں میں محفوظ کردی جاتی ہیں ان سے برسوں استفادہ کیا جاسکتا ہے اور بحمد اللہ تاریخ اسلام کا پورا ذخیرہ اس کا شاہد عدل ہے۔

مقام مسرت ہے کہ مولانا مفتی محمد سرور فاروقی ندوی (صدر جمعیت پیام امن، لکھنؤ) ایک عرصہ سے دعوت واصلاح کے میدان میں قابل ذکر کام انجام دے رہے ہیں، وہ لسانی اور قلمی جہاد کررہے ہیں، جس پر وہ پوری ندوی برادری ہی نہیں، بلکہ طبقہ علماء کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں، دعوت میں بنیادی چیز لسان قوم میں مہارت ہے، مفتی صاحب ہندوستان کی مروجہ زبان ہندی کے اچاریہ (عالم) ہیں، انہوں نے ہندی زبان میں اسلامیات کا ایک کتب خانہ تیار کردیا ہے اور اہم بات یہ ہے کہ تفسیر فاروقی کے نام سے سات جلدوں میں ہندی زبان میں وقیع تفسیر اور اردو زبان میں ''معانی القرآن الکریم لفظی رواں ترجمہ ومختصر تفسیر'' کے عنوان سے بھی لکھی ہے جس کی ہر طرف پذیرائی ہے، ادھر چند مہینوں میں انہوں نے قرآن کے ہندی لفظی ترجمہ کا کام کیا ہے، جو طباعت کے لئے تیار ہے، اسی طرح انہوں نے اس وقت اور کئی کتابیں تیار کی ہیں جس میں ''سیرت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور نظام خلافت'' بھی ہے۔ جو عوام وخواص کے لئے بہت مفید ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفتی محمد سرور فاروقی ندوی کو مزید ہمت وحوصلہ دیں، تاکہ ان کے ذریعہ لسانی اور قلمی جہاد کا یہ سلسلہ جاری رہے اور ان کا فیض جو دراصل ندوۃ العلماء کا فیض ہے جاری وساری رہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

راقم الحروف

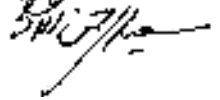

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۸ رشوال ۱۴۴۱ھ
۲ رجون ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابوطالب مکہ کے نہایت ذی اثر لوگوں میں سے تھے، رسول کریم ﷺ نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابوطالب ہر موقع پر آپ کے لیے سینہ سپر رہتے تھے اور آپ ﷺ کو کفار کے ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے تھے، مشرکینِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں ان کو محصور کردیا، کاروبار اور لین دین بند کردئے شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کرلیے، کھانا پینا تک بند کردیا، غرض ہر طرح پریشان کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور ہوجائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو جنت کی ابدی دولت حاصل ہو، اس لئے ابوطالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت دی، ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو تمہاری دعوت قبول کرلیتا۔

اسی طرح حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت ومحبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی

نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے محبوب چچا کی عسرت سے متأثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے، چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسبِ ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا، چنانچہ اس وقت سے برابر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ کی نسبت رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھی، کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا، جو اللہ کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اس کو اللہ اور اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر سب سے بڑے قاضی علیؓ بن ابی طالب ہیں۔

امور دین میں خود رسول اللہ ﷺ کی تصریح کے مطابق ان کا قول وفعل حجت تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ''تم میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدینؓ کی سنت کا اتباع کرنا''۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کرو، غرض اس قسم کے بے شمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق خلفائے اربعہؓ تھے۔

اس طرح خلفاء راشدین کے کارنامے اور خصوصاً حضرت علیؓ کی صلاحیتیں جو رسول کریم ﷺ کی تربیت کا نتیجہ تھیں ان سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے۔

اسی مقصد سے مولانا معین الدین ندوی مرحوم کی کتاب سیر الصحابہ سے اکثر حصہ اور احادیث، تاریخ کی مستند کتابیں جیسے تاریخ طبری، ابن کثیر، ابن خلدون اور تاریخ الخلفاء وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قبول فرما کر صحابہ کے نقش قدم پر چلنے کی

توفیق نصیب فرمائے۔

اب آخر میں ہم جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب کے شکر گذار ہیں جو ہمیشہ ہماری ہمت افزائی فرماتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام معاونین کو اپنی شان کے مطابق اجر عظیم عطا فرمائے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب

محمد سرور فاروقی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۲۳-۴-۲۰۲۰ء
۲۸ رشعبان ۱۴۴۱ھ

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ کا تعارف

آپ کا نام علی تھا اور ابوالحسن اور ابوتراب کنیت تھی۔ حیدر (شیر) لقب تھا (صحیح مسلم، کتاب الجہاد باب غزوۂ ذی قرد وغیرھا) والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔

خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلۂ قریش میں بڑی وقعت وعظمت حاصل تھی، خانۂ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کے پاس تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی قیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آپ ﷺ نے ان ہی کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوتِ حق کا اعلان کیا تھا، ابوطالب ہر موقع پر آپ کے لیے سینہ سپر رہے اور سرور کائنات ﷺ کو کفار کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ رکھا، مشرکینِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں اس کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا تک بند کر دیا، غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحۂ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دستِ شفقت نہ اٹھایا۔

رسول اللہ ﷺ کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبطِ وحی ﷺ کی جو خدمت وحمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم وفردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لیے ابوطالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت دی، ابوطالب نے کہا عزیز بھتیجے!

اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔ سیرۃ ابن ہشام میں حضرت عباسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزاع کی حالت میں کلمۂ توحید ان کی زبان پر تھا مگر یہ روایت کمزور ہے، بہرحال ابوطالب نے گو علانیہ اسلام قبول نہیں کیا تاہم انہوں نے رسول کریم ﷺ کی جس طرح پرورش وپرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکرگزاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۸)

حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہ کے اس یتیم معصوم کی ماں کی طرح شفقت ومحبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا، لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں۔

(ترجمہ اسد الغابہ، ج ۵ ص ۵۱۷)

حضرت علیؓ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے، قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہئے، چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسبِ ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہِ انتخاب نے علیؓ کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔ (زرقانی، جلد ۱ ص ۲۸۰)

اسلام لانے کا واقعہ

حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربارِ خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا چونکہ حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے

ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک روز رسول کریم ﷺ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروفِ عبادت دیکھا، اس موثر نظارہ نے اثر کیا، طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا: آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ رسول کریم ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی، اپنے والد ابوطالب سے اس کے متعلق دریافت کروں گا چونکہ سرور کائنات ﷺ کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، رسول اللہ ﷺ کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل ہوئی، اس لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ پیش آئی اور دوسرے ہی دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ **(اسد الغابہ، تذکرہ حضرت علیؓ)**

اس بارہ میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن حارثہؓ کا ایمان سب پر مقدم ہے لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکی زندگی کے تیرہ سال

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظّمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرور کائنات ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت و پرستش کے موقعوں پر غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے

لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، رسول کریم ﷺ چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے، حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے، ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروفِ عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گزر ہوا اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروفِ عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ رسول کریم ﷺ نے کلمۂ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ **(مسند ابن حنبل، جلد ۱ ص ۹۹)**

ایام حج میں مکہ کی سرزمین قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی اس لیے رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے، اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے۔ **(کنز العمال جلد ۶، ص ۳۱۹)**

کبھی کبھی رسول کریم ﷺ کے ساتھ خانۂ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔ **(مسند ابن حنبل، جلد ۱، ص ۸۴)**

کھانے کی دعوت کا انتظام

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد رسول کریم ﷺ نے تین برس تک علانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے، چوتھے سال اسلام کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا، چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

اپنے قریبی اعزہ کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ۔ **(سورہ الشعراء: ۲۱۴)**

رسول کریم ﷺ نے اس حکم کے موافق کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا

تھا، ابولہب نے کہا **تبالک** تیرے لیے ہلاکت ہو، اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا، دسترخوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد ۴۰ تھی، حضرت حمزہؓ عباسؓ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکا میں تھے، لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آپ ﷺ نے اٹھ کر فرمایا: ''یا بنی عبد المطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار رہوگا؟'' اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا علی مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ ﷺ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اچھا تم بیٹھ جاؤ اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا: لیکن کسی نے جواب نہیں دیا، حضرت علیؓ پھر اٹھے، رسول کریم ﷺ نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارِ گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جاں بازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔

(طبری، ص ۱۲۷۲، یہ روایت مسند ابن حنبل میں بھی بالاختصار مذکور ہے، دیکھو جلد ۱، ص ۱۵۵ مگر اس کی سند میں لوگوں نے کلام کیا ہے)

رسول کریم ﷺ کی ہجرت کے وقت

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے لیکن مشرکینِ قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے، رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کو اسیر پنجۂ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ

مکہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا، اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضۂ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں، اس خطرہ نے ان کو خود رسولِ کریم ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا، چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذاتِ اقدس ﷺ کو دنیا سے رخصت کر دیں لیکن مشیتِ الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام عالم حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے، اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتابِ رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا، اس لیے وحی الٰہی نے رسول کریم ﷺ کو مشرکین کے ارادوں سے اطلاع دے دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا، رسول کریم ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

جاں نثاری کی ایک مثال

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئیس برس کی تھی، اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے، رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہا، غرض تمام رات مشرکینِ قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود رسول کریم ﷺ استراحت فرما ہیں صبح ہوتے ہوتے اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے اندر آئے لیکن یہاں یہ دیکھ کر متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم ﷺ کے بجائے آپ ﷺ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے سر بکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔ **(مستدرک حاکم، جلد ۳ ص ۴)**

حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن تک مکہ میں مقیم رہے اور رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ ﷺ کا

کاروبار اور لین دین تھا ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے، اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت کلثوم بن ہدمؓ کے مہمان تھے، اس لیے حضرت علیؓ بھی انہیں کے مکان میں جا کر فروکش ہوئے۔ (ابن سعد، تذکرہ علیؓ ص ۱۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علیؓ کو ان کا بھائی بنایا۔ (ابن سعد تذکرہ علیؓ ص ۱۴)

تعمیر مسجد میں حصہ

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ آزادی و حریت کی سرزمین میں تھا جہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کر سکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کر سکتا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مسجد تعمیر کرانے کا خیال پیدا ہوا، آپ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہؓ جوش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علیؓ اینٹ اور گارہ لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔ (زرقانی، جلد ۱ ص ۴۲۶)

لا یستوی من یعمر المساجد	جو مسجد تعمیر کرتا ہے، کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر
یدأب فیه قائما و قاعدًا	اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد و
و من یری عن الغبار حائدا	غبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے

غزوۂ بدر میں حصہ

غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، اس غزوہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرارؓ کے ہاتھ میں تھا، جب رزم گاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا

پتہ چلانے کے لیے بھیجا، انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کر لیا، سترہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی، قاعدہ کے مطابق پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا، سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے، قریش کے بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا، جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے جوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکار کر کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو، اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے، حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ، تینوں اپنے اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے، حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا، اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا، یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی، شیر خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا، مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مالِ غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے، مالِ غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔ (سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر)

حضرت فاطمہؓ سے نکاح

اسی سال یعنی ۲ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی، آپ نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟

بولے: ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کر دو، حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کی، آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔ **(زرقانی، جلد ۲ ص ۴)**

حضرت فاطمہؓ کی رخصتی

نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو، چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا۔ **(اصابہ، جلد ۸ ص ۱۵۸)** چنانچہ حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔ **(اصابہ، ج ۸ ص ۱۵۸)**

حضرت فاطمہؓ کا جہیز

حضرت سیدہ زہراؓ کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علیؓ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

حضرت علیؓ کا دعوت ولیمہ

حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی، خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوت ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن حضرت حمزہؓ نے حالتِ نشہ میں (اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی، بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے) اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا، اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں

سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا، چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا، جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا لیکن اس زمانہ کے لحاظ سے یہ پر تکلف ولیمہ تھا، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔ **(زرقانی، جلد ۲ ص ۴۸)**

غزوۂ احد میں شرکت

سنہ ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا، شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے، اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے، اسی حالت میں رسول کریم ﷺ کو چشم زخم پہنچا، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ ایک خندق میں گر پڑے۔ **(بخاری باب غزوۂ احد)**

مشرکین ادھر بڑھے لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے، اس کے بعد حیدر کرارؓ بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دی، مشرکین کے علمبردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا، شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا، حضرت علیؓ کو اس کی بے بسی اور بدحواسی پر رحم آ گیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔ **(سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۴۵۵)**

مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ کو پہاڑ پر لے کر گئے، حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ نے ڈھال میں بھر بھر کر پانی گرایا، اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔ **(بخاری باب غزوۂ احد)**

بنونضیر کے جلاوطن کے وقت علم

غزوۂ احد کے بعد سنہ ۴ھ میں بنونضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا، حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق میں حضرت علیؓ کی بہادری

۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا، اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے، ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا، حضرت علیؓ نے چند جاں بازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا، سواروں کے سردار عمر بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علیؓ نے اپنے کو پیش کیا، اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا، شیر خدا نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں، وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور مقابلہ میں آیا، تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا، اس کا قتل ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔ **(سیرت ابن ہشام، جلد ۲ ص ۹۸)**

کفار بہت دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے لیکن بالآخر مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

بنوقریضہ سے مقابلہ

بنوقریضہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا اور تمام قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا، اس لیے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف توجہ کی، اس مہم میں بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔ **(زرقانی، غزوۂ بنی قریضہ)**

بنوسعد کی سرکوبی

۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنوسعد یہود خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں، اس لیے حضرت علیؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنوسعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔ **(ایضاً جلد ۲ ص ۱۸۷)**

صلح حدیبیہ کی تحریر

اسی سال یعنی ۶ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا ارادہ فرمایا، مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے، حضرت عثمانؓ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے، مشرکین نے ان کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیے گئے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی، حضرت علیؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے، بعد کو جب معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین سے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی گئی، حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا انہوں نے حسب دستور **هذا اما قاضى عليه محمد رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی، مشرکین نے ''رسول اللہ'' کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو محمد کا رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی، خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا، اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے اس کو مٹا دیا، اس کے بعد معاہدۂ صلح لکھا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ **(بخاری کتاب الصلح زرقانی، باب غزوۂ حدیبیہ)**

فتح خیبر پر فوج کشی

۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے، جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے لیکن کامیابی نہ ہوئی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدور ہے، صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا لیکن یہ دولت گراں مایہ حیدر کرار کے لئے مقدر ہو چکی تھی، صبح کو بڑے بڑے جاں نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتہً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

علیؓ کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ حضرت علیؓ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے، رسول کریم ﷺ نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔

(بخاری، کتاب الصلح زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ کتاب المغازی غزوۂ خیبر)

ایک شخص کی ہدایت

حضرت علیؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا: نہیں، بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ اگر تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔ **(بخاری، کتاب الصلح زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ کتاب المغازی غزوۂ خیبر)**

لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست، ذلت اور رسوائی لکھی تھی، اس لیے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب　　شاکی السلاح بطل مجرب

(خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، سلح پوش ہوں، بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں)

اذا الحروب اقبلت تلهب

جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتحِ خیبر نے اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

انا الذی سمتنی امی حیدره　　کلیث غابات کریه المنظره

(میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا)

اوفیهم بالصاع کیل السندره

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔

(صحیح بخاری، جلد ۲ ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر باب غزوۂ ذی قرد وغیرھا)

اس کے بعد حیدر کرارؓ نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں

رمضان ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں، ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے مشرکینِ مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی، رسول کریم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی: حضور فرد قرار جرم لگانے کے قبل اصل حالات سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں، جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں، یہ خط لکھا تھا حاشا و کلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی، رسول کریم ﷺ نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ بیان کیا ہے لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا: یہ بدری ہیں کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں۔ **(بخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ فتح)**

غرض رسول کریم ﷺ ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوئے جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے، ایک علم حضرت

سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل لکعبة

یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے۔

رسول کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: نہیں ایسا نہ کہو، آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علیؓ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، چنانچہ وہ کدا کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے۔ **(بخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ فتح)**

اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، رسول کریم ﷺ نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانۂ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے: **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا** پھر خانۂ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی مورتوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے۔ لیکن چونکہ اس وحشت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اٹھا ہوا تھا، اس لیے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لیے بہت بلندی پر تھا پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انہوں نے سلاخ سے اکھاڑ حسبِ ارشادِ نبوی ﷺ پاش پاش کر ڈالا اور خانۂ کعبہ کی کامل تطہیر ہو گئی۔

(حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے اور یہی صحیح اور قرین عقل ہے، ہجرت کی ایسی نازک رات میں جب کہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے، دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہوا)

مقتولین کا معاوضہ

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو بنو خذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے توحید کی دعوت دی، بنی خذیمہ نے اسے قبول کیا لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور **اسلمنا** یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے **صبانا صبانا** یعنی ہم بے دین ہو گئے، کہنے لگے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا منشا سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو نہایت متأثر ہوئے اور حضرت علیؓ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا، انہوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ میں خوں بہا دیا۔ **(فتح الباری، ج ۸ ص ۴۶)**

غزوۂ حنین کا معرکہ

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوۂ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پا کر پھر اچانک حملہ کر دیا، مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے، آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔ **(سیرۃ ابن ہشام، ج ۲ ص ۲۶۷، و مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۱۰۹)**

اہلِ بیت کی حفاظت

۹ھ میں جب رسول کریم ﷺ نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، شیر خدا کو شرکتِ جہاد سے محرومی کا غم تو تھا

ہی، منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا، رسول کریم ﷺ کو اس کا حال معلوم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا: علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔ **(بخاری کتاب المناقب، مناقب علیؓ)**

تبلیغ فرمانِ رسول

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا، اسی اثنا میں سورۂ برأت نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیج دی جاتی تو اچھا ہوتا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورہ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی عہد ہے، وہ مدتِ معینہ تک باقی رہے گا۔ **(سیرۃ ابن ہشام، ج۲ ص۳۴۲، ۳۴۳)**

یمن اور اشاعت اسلام

تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں رسول کریم ﷺ نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعتِ اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے، اس لیے رمضان ۱۰ھ میں رسول کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں، ان لوگوں کے جھگڑوں کا فیصل کرنا میرے لیے نہایت دشوار کام ہوگا، سرور کائنات ﷺ نے ان کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی: ''اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کر، اس کے بعد خود اپنے دستِ اقدس سے ان کے

فرقِ مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ **(زرقانی، ج۲ ص۱۲۲)**

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا جو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھتے تھے، وہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

(فتح الباری ج۸ ص۵۲)

حجۃ الوداع میں شرکت

اسی سال یعنی ۱۰ھ میں رسول کریم ﷺ نے آخری حج کیا، حضرت علیؓ بھی یمن سے آ کر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

حضرت علیؓ کی تیمارداری

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول کریم ﷺ بیمار ہوئے، حضرت علیؓ نے نہایت تندہی اور جاں فشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گزاری کا فرض انجام دیا، ایک روز باہر آئے، لوگوں نے پوچھا کہ اب رسول کریم ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علیؓ نے اطمینان ظاہر کیا، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں، آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں، حضرت علیؓ نے کہا میں نہیں عرض کروں گا، اگر خدا کی قسم رسول کریم ﷺ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔ **(صحیح بخاری باب مرض النبی ﷺ)**

دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت سرورِ عالم ﷺ نے جاں نثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا۔

حضرت علیؓ چونکہ رسالت مآب ﷺ کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن تھے، اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔

(مستدرک حاکم، ج۳ ص۱۱۱)

انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے، ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفۂ اول کی بیعت

سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی، البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے کے بعد کی، لوگوں نے اس توقف کے عجیب وغریب وجوہ اختراع کر لیے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے، چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا، اس وقت انہوں نے خود حضرت ابو بکرؓ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی۔ **(بخاری غزوۂ خیبر)**

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے، نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا، بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے۔ **(تاریخ ابن خلدون، جلد ۲ ص ۱۰۶ و طبری، فتح المقدس)**

● اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتۂ مصاہرت قائم ہو گیا یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

● فاروق اعظمؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے اس کے رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے، ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے

چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے، جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے پھر ان سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علیؓ مرتضٰی نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن عمرؓ نے سب کی نکیل اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں، آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی، رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے، اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑتا ہے۔ **(تاریخ طبری ص ۲۹۳۸)**

بیعتِ خلافت

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علیؓ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا، انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اٹھانا پڑا۔ **(ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۵۳)** اور واقعہ کے تیسرے دن ۲۱ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں جناب مرتضٰیؓ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشینِ خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ لگانا اور ان کو سزا دینا تھا لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت الفرافصہ موجود تھیں، جو اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے پہچانتی نہ تھیں اندر آئے، حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر کہا، برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے، البتہ ان دونوں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک قتل نہ تھے،

غرض تحقیق وتفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ چلا، تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لیے مجرمین کا کوئی پتہ نہیں چلا اور حضرت علیؓ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علیؓ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں، اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا، عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومتِ شام کا فرمان دے کر روانہ کیا، سہل تبوک کے قریب پہنچے تو حضرت امیر معاویہؓ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے، اس لیے یا تو میری اطاعت کریں یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا، قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمانؓ کی خون آلود قمیص پر ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس خونِ ناحق کا قصاص نہیں لے لیں گے اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں گی، قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا: ''تمہارا برا ہو! کیا تم مہاجرین انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیص عثمانؓ قمیص یوسفؑ ہے اور نہ معاویہؓ کو یعقوبؑ کی طرح غم ہے، اگر شام میں اس کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہلِ عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہؓ کی قصاص پر آمادگی

حضرت امیر معاویہؓ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسرا قضیۂ نامرضیہ پیدا ہو

گیا یعنی حضرت عائشہؓ مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے، ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے اور حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ عثمانؓ مظلوم شہید کر دیے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا، اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔ **(طبری، ص ۳۰۹۸)**

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے، انہوں نے بھی داستان سنائی، ان کے بیان سے حضرت عائشہؓ کے ارادوں میں اور تقویت ہو گئی اور انہوں نے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب ملک میں بدظنی پیدا کر دی تھی، حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا، ان کے اعدا کو اپنا معاون وانصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال وحکام کو برطرف کر دینا، انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا، چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں، عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ، مروان بن حکم، سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزیں تھے اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں پھر بصرہ، کوفہ اور عراق کی دوسری نوآبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا بنائیں۔

عراق کا سفر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں، انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہِ خلافت میں

حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامرؓ جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوۂ بدر میں رسول کریم ﷺ کے ہمرکاب رہ چکے تھے، انصار کی جانب سے گذارش کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح منا سب نہیں ہے، عمر فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اگر اس وقت خالدؓ، ابوعبیدہؓ سعد وقاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ نے شام وایران کو تہ وبالا کر دیا تھا تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی، وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی ہے، وہاں کے بیت المال بھی مال وزر سے پر ہیں، اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں، چند محتاط صحابہؓ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے، ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنوسعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ

یہ سن کر حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسنؓ کو حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں، حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب میرے سر پر ہے، اس لیے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزلت نشیں ہو جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے، اس اثنا میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ، اسکے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا، حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے، حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا: لوگو! امیر المومنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے، اس دعوت کو قبول

کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ سرد کر دو، میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں، غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المومنین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دو سرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جاں بازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المومنین کی فوج سے مل گئی، جناب امیر نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا، اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا، ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا، دوسرا حضرت علیؓ کا طرف دار تھا، اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی، خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی، ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔

صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا، دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے، جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی، حضرت علیؓ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہؓ کی طرف کچھ اموی تھے، حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں، اس لیے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شب خون مارا، گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکا دیا، ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا، حضرت عائشہؓ اُونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں، حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا، ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش وخروش تھا، قلب فوج میں ان کا ہودج تھا، محمد بن طلحہ سواروں کے افسر تھے، عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور

پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل

دورانِ جنگ حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا: ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ ﷺ نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی: ہاں، یا رسول اللہ ﷺ یاد کرو اس وقت تم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے''۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا: ''ہاں اب مجھے بھی یاد آیا''۔ **(مستدرک حاکم، جلد ۳ ص ۱۳۶۶)**

یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے اور اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے فرمایا: جانِ پدر علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بیشک ہم حق پر نہیں ہیں، اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا تم بھی میرا ساتھ دو لیکن حضرت عبد اللہ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں، حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا تو اس نے حضرت طلحہؓ کو ایک ایسا تاک کر تیر مارا جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا، یہ تیر زہر میں بجھا تھا زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا، اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جاں نثار فرزندرہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی، دیر تک گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی، ام المومنینؓ زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے، حضرت عائشہؓ کے وفادار بیٹوں میں بنوضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل ازد اور بنوضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش، ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرارؓ کو حیرت تھی، عبداللہ بن زبیرؓ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے، وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لی، اسی طرح یکے بعد

دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے کو قربان کر دیا۔ **(طبری ص ۳۱۸۶ و مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۳۶۶)**

بصرہ کا شہسوار عمرو بن بجرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا مارا جاتا تھا۔

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علیؓ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، آپ نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں، پھر خود ام المومنینؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لیے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا: میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

بصرہ میں چند روزہ قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخلِ شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد و قناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن

الخطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں ،میدان میرے لیے بس ہے، چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاو پرہیز گاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہو گیا، لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی کی جو توہین ہوئی اس نے علیؓ مرتضٰی کو مجبور کیا کہ وہ سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علاحدہ کر دیں، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علیؓ کے طرفداروں اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، گو حضرت علیؓ نے مدینہ کو سیاسی شر و فتن سے بچانے کے لیے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا، اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہو گئی اور خود حضرت علیؓ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضر ثابت ہوا، بہر حال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سرِ نو نظم و نسق قائم کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، سجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا، خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندانِ کسری کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرا دی ہے، چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کیا اور اس کو بارگاہِ خلافت میں بھیج دیا جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند اکبر امام حسن رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیں، اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو، اگر خود جنابِ امیرؓ اپنے عقدِ نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیبِ خاطر حاضر ہو، حضرت علیؓ نے انکار کیا اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ، موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا، اشتر نے بڑھ کر شام

کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا، اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

حضرت علیؓ کی صلح کی دعوت

اگرچہ حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہؓ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا، جریر ایسے وقت امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا، امیر معاویہؓ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا پھر بآوازِ بلند حاضرین کو سنایا، بعد حمد نعت کے خط کا مضمون یہ تھا۔

''تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصبِ خلافت کے لیے منتخب کیا ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا، پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کر و اسکے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو، میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے، اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی جس کے حصول کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع میسر نہیں آ سکتا تھا، نیز حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی، حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا

طرفدار بنا دیا تھا بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علیؓ کی طرف مائل تھے آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے تھے، عبید اللہ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے خون کے جوشِ انتقام میں ایک پارسی نومسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا، حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہؓ کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے تھے، امیر معاویہؓ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علیؓ کے حامیوں میں تھا اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے سارے شام میں پھیلایا، ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے، دمشق کی جامعہ مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔ (طبری ص ۳۲۵۵)

ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علیؓ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمانؓ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا، ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد نج طور پر گذارش کی کہ اگر عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں کہ فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں، جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا، ابو مسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا، ابو مسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ ببانگ بلند کہا: ''ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں'' ابو مسلم نے متعجب ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے، حضرت

علیؓ نے فرمایا: تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آئیں، حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی، عمرو بن العاصؓ کو علاحدہ لکھا کہ دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی، گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی، اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سد باب کی تمام کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا، تمام عمال و حکام کو دور دراز حصصِ ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا۔

معرکۂ صفین

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابو الاعور سلمی نے مقدمتہ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، علوی فوج کے افسر زیاد ابن النضر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثنا میں اشتر نخعی کمک لے کر پہنچ گئے، ابو الاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے، اس لیے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹا لیا اور امیر معاویہؓ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لئے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے، گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر ابو الاعور سلمی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

پانی کے لیے کشمکش

ابو الاعور نے اس حکم کی تعمیل کی، چنانچہ حضرت علیؓ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کر لیا جائے، چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی

طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہوگئی، حضرت علیؓ کی فوج پیش دستی کی منتظر ہی تھی سب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا، ابوالاعور نے دیر تک ثبات واستقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا، آخر کار شامی دستہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہوگیا، اب جو دقت امیر المومنینؓ کی فوج کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہؓ کو پیش آئی لیکن جناب مرتضٰی کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی۔ **(ابن اثیر، ج ۳ ص ۳۳۵)**

چنانچہ دونوں فوج ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگی اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہوگیا کہ دونوں کیمپ کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہوگئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہوجائے گی۔

مصالحت کی آخری کوشش

حضرت علیؓ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری ،سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہؓ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، دونوں طرف علما، فضلا اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خوں ریزی کو ناپسند کرتی تھی، اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی، اس اثنا میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کر دیا، غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گذر گئے لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الاخریٰ کے شروع سے جنگ چھڑ گئی۔

آغاز جنگ

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ صبح و شام تھوڑی تھوڑی فوج

میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت وخون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی، فوج کی کمان حضرت علیؓ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن المعمرہ، زیاد بن النضر، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے، یہ سلسلہ جمادی الاخریٰ کی آخر تاریخوں تک جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا شہر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعۃً دونوں طرف سے جنگ رک گئی، اس التوا سے خیر خواہان امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا، چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی:

حضرت ابوالدرداء: تم علیؓ سے کیوں لڑتے ہو؟ کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہؓ: میں عثمانؓ کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کی شرط سے مطلع کیا، اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ ''ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں'' حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا، آغاز صفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہوگئی اور اس قدر خونریز لڑائیاں پیش

آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا، حضرت علیؓ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے ابھارا تمام فوج نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، حیدر کرارؓ خود فوج کے آگے تھے اور اس جاں بازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے، آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

اضربهم ولا اری معاوية　　الجاحظ العين العظيم الحاويه

قریب پہنچ کر پکار کر کہا: ''معاویہ! خلقِ خدا کا خون گراتے ہو، آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں''۔

اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب! کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

عمرو بن العاصؓ: جو کچھ ہو، تاہم مقابلہ کے لیے نکلنا چاہئے۔

امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرا کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔

امیر معاویہؓ کے اعراض پر عمرو بن العاصؓ خود شیر خدا کے مقابلہ کے لیے نکلے، دیر تک دونوں میں تیغ وسناں کا ردوبدل ہوتا رہا، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا، عمرو بن العاصؓ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے، فاتح خیبرؓ نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے

ساتھ جنگ ہونے لگی، چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت وخوں ریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے، صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج، گھوروں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا، اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین ومقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی، حضرت علیؓ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا: ''جاں بازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ ان شاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا، پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے''۔

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اس وقت تک نہایت جاں بازی، شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے تھے اشعث بن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا، رومی شام میں ہمارے اہل وعیال پر قبضہ کر لیں گے، اسی طرح ایران کے دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے، تمام درباروں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرے پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہؓ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ ''اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے، بہرحال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہئے، ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں، اس لئے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت وآبرو برقرار رہے لیکن اب حضرت علیؓ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آ

راستہ ہوکر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کرلیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے کہا اب میں ایک ایسی چال چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہوجائے گا یا علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی، چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی، آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے اس کے علاوہ جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اس کو اپنے نیزے پر باندھ لیا تھا، حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن ادہم، میمنہ سے شریح النجد امی اور میسرہ سے زرقا بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا ''اے گروہ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے، تم فنا ہوگئے دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے''۔ اسی طرح ابوالاعور سلمٰی اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور بہ بانگ بلند کہا: ''اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے، اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ یہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور شور کے ساتھ حملہ کر دیا لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہوگئی۔

حضرت علیؓ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے، ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہئے، کردوس بن ہانی، سفیان بن ثور اور خالد بن المعمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی طرف دعوت دی تو انہوں نے کچھ پروانہ کی لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا چاہتے ہیں لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا، اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہئے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہوجائے گی بلکہ خود جناب امیر کا مقابلہ کرے گی، مسعر بن فدکی، زید بن حصین سنبسی اور ابن الکوا اس جماعت کے سرگروہ تھے، اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کی امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جاں نثار تھا، اسی طرح آج بھی ہوں لیکن میری

بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے'' غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضٰی کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا، اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے، اس لیے واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن فدکی اور ابن الکوا وغیرہ جنہوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت وخون کی نوبت پہنچ جائے لیکن جناب امیرؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت وگذشت کر دیا۔

جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط وکتابت شروع ہوئی اور طرفین کے علما وفضلا کا اجتماع ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کا نام پیش کیا، اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام لیا، حضرت علیؓ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا عبداللہ بن عباسؓ اور آپ تو ایک ہی ہیں حکم کو غیر جانبدار ہونا چاہئے۔ اس لئے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا، اشعث بن قیس نے برافروختہ ہوکر کہا ''جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے، اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر عمل کرتے رہے، ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا'' حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابوموسیٰ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل وبردباری کے ساتھ فرمایا: ''جس کو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہوکر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشیں ہوگئے تھے، لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے، کاتب نے **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے بعد لکھا **ھذا ما قاضی علیہ امیر المومنین** امیر معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ اگر میں امیر

المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے لیکن احنف بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جاں نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا، فدائے رسول نے کہا: خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے، صلح حدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) میں 'رسول اللہ' کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لیے جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں، غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربرآوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا، معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے:

علیؓ، معاویہؓ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعریؓ) اور عمرو بن العاصؓ قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس وپیش نہ ہوگا، اس لیے دونوں کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبویؐ کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی، ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں۔

خارجی فرقہ کی بنیاد

معاہدہ تیرہویں صفر ۳۷ھ چہارشنبہ کے روز ترتیب پایا، اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے، وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزہ کے فرودگاہ پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے اسی طرح قبیلہ مراد اور بنو راست اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا، بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن ادیہ نے اشعث سے سوال کیا، کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہاں جائیں گے؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا،

بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی، محرز بن خمیس نے عرض کی: ''امیر المومنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو، غرض ایک معتدبہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ

حضرت علیؓ اور معاویہؓ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا، بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگراں حضرت عبداللہ بن عباسؓ تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت سعد وقاصؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع وتقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے، تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں آئے، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علاحدہ علاحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اسی وقت علانیہ پیشین گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہوگا، بہرحال دونوں حکم حسب قرارداد گوشۂ خلوت میں مجتمع ہوئے، عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے ان کی غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کی، تعریف وتوصیف کے پل باندھ دیے، اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابوموسیٰ: عمروؓ! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے۔

عمرو بن العاصؓ: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ: عبداللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے، ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے!

ابوموسیٰ: معاویہؓ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہؓ اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمرو بن العاصؓ: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی، فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ: بیشک تمہارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کر دیا ہے، برخلاف اس کے طیب بن الطیب عبداللہ بن عمرؓ کا لباسِ تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے، بس آؤ ان ہی کو مسندِ خلافت پر بٹھا دیں۔

عمرو بن العاصؓ: ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں، ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ: عمروؓ! تمہارا برا ہو، کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے، اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاص: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرارداد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبداللہ بن عباسؓ نے ابوموسیٰ کے پاس جا کر کہا: ''خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمروؓ نے آپ کو دھوکا دیا ہوگا، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا وہ نہایت غدار ہے، کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے''، ابوموسیٰ نے کہا ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے عمرو بن العاصؓ سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں، انہوں

نے عرض کی ''میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا، آپ فضل و منقبت میں ہن و سال میں غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا، چنانچہ آپ بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا ''صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا، وہ جس کو چاہے اپنا امیر بنائے، ابو موسیٰ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اتر آئے تو عمرو بن العاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا: ''صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابوموسیٰؓ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہؓ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے، چلا کر کہنے لگے: یہ کیا غداری ہے، یہ کیا بے ایمانی ہے، سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو جب بھی ہانپتا ہے **انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث**، عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر ''چار پائے بر و کتا بے چند'' کی مثل صادق آتی ہے۔ **مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا۔**

عمرو بن العاصؓ کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا، اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت و گذشت کر دیا، حضرت ابو موسیٰ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی

پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں سے ایک معتدبہ جماعت نے ناپسند کیا تھا، چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی

ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر حرورا میں اقامت اختیار کی، حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو سمجھانے کے لیے بھیجا، انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے، یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے، حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں، خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا، حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے، وہ سب ایک ساتھ چلا اٹھے **لا حکم الا للہ** یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آ کر نہایت بلند آہنگی سے کہا:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ (سورہ زمر آیت:۶۵)

اے محمد! تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بے کار ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گے۔

حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ (سورہ روم آیت:۶۰)

تو صبر کر و خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی، دومۃ الجندل کی تحکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ، بصری، انبار اور مدائن وغیرہ

میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے، وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے، چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن جناب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان اور صیدا دیہ کو مشق ستم بنایا اور جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا، حضرت علیؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کرنا پڑا۔

معرکہ نہروان

نہروان پہنچ کر حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد بن عبادہؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں، جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکوا کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا، میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شبیث بن ربعی، پیادہ پر حضرت ابوقتادہؓ انصاری اور سواروں پر حضرت ابوایوبؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرار سے جنگ آزما ہونے میں پس و پیش تھا اس لیے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً ۵ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بندنجین کی راہ لی

،ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے لیکن یہ سب منتخب اور جاں باز تھے، اس لیے انہوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثارانِ علیؓ میں غیر معمولی ثبات واستقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضا کٹ کٹ کر جسم سے علاحدہ ہو جاتے تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا، اسی طرح سے خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے، جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی، چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا: ''اللہ اکبر! خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا''۔

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا لیکن اشعث بن قیس نے کہا: ''امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں مڑ گئیں ہیں، نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب وسامان درست کر لینا چاہئے''۔ جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کر کے کوفہ کھسکنے لگے یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی، حضرت علیؓ نے یہ رنگ دیکھا تو سر دست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لیے کشمکش

پہلے گزر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے، چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیس بن سعد انصاریؓ کے سپرد ہوئی تھی، انہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو

جناب امیرؓ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی، صرف قصبہ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا اور انہوں نے کہا: جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے، البتہ والی مصر کی اطاعت وفرماں برداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن وسکون کو صدمہ پہنچائیں گے، قیس بن سعدؓ نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے، انہوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا خلافِ مصلحت سمجھا اور انہیں امن وسکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی، اور اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف سے قیس بن سعدؓ اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا اس لیے انہوں نے قیس بن سعدؓ کو خط لکھ کر اپنا طرفدار بنانا چاہا، قیس بن سعدؓ نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا، امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو، مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا، افسوس تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے، قیس بن سعدؓ نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا، خدا نے چاہا تو خود تمہاری اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

حضرت قیس بن سعدؓ نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علمبردار تھے، امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی یہ تدبیر کی کہ ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیس بن سعدؓ میرے طرفدار ہیں، رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت پہنچی، محمد بن ابی بکر وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتبا کو بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا۔

جناب امیرؓ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیس بن سعدؓ کو خرتبا والوں سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا، انہوں نے جواب دیا کہ خرتبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے، اس

میں بسر بن ارطاط، مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں، ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں لیکن جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفادے دیا ،قیسؓ کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والی مصر مقرر ہوئے، یہ کمسن ناتجربہ کار تھے، ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے خرتبا والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادۂ پر خاش کر دیا، حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں لیکن امیر معاویہؓ نے راستہ میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرا دیا اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبر دست مہم مصر روانہ کی، محمد بن ابی بکر کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا، تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کر کے وہ اس جاں بازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہ بن خدیج رئیس خرتبا کی مدد طلب کرنی پڑی لیکن اس دوران میں امیر معاویہؓ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ کر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے، محمد بن ابی بکرؓ نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈھ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا اس افسوس ناک طریقہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علیؓ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد بن ابی بکرؓ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰؓ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنے حکومت کا طرفدار بنانے کے لیے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا، عبد اللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی، قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس کی دعوت کو لبیک کہا اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزیں ہونا پڑا، بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو امیر معاویہؓ کے ہواخواہوں نے نا

گہانی طور پر انہیں قتل کر دیا۔

عین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیرؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی، امیر المومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں، مرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا ،حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے مسلسل تعاقب کرنے کے بعد رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کر کے اس سے اور اس کی جماعت سے ملک کو پاک وصاف کر دیا اور باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لے کر ان کے ساتھ نہایت لطف وترحم کا سلوک کیا، مرتدوں کے ساتھ بھی ان کے قبول اسلام کے بعد بہت اچھا برتاؤ کیا، جس کا اثر ان پر بہت اچھا پڑا، چنانچہ معقل بن قیس جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی، ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کا طریق عمل

جنگ صفین کے التوا اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق واختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے مخصوص ہمدموں اور جاں نثاروں کے عزم وارادے بھی پست ہو گئے، اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگے، جناب امیر نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا، پر جوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شیعیان علیؓ کے دل ایسے کمزور ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے، اس سلسلہ کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغۃ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا، امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے، انہوں نے شیعیان علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے، حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضیٰؓ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں، چنانچہ نعمان بن بشیر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیما پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہؓ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعیان علیؓ کو یہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا

حضرت علیؓ نے بہت جلد حضرت امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک مقبوضہ سے نکال دیا تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رعبی پیدا ہو گئی، کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی عمال نکال دیے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی، حضرت علیؓ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کی زیادہ بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، اس لیے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے، انہوں نے بہت جلد کرمان، فارس اور

تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔

بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارات کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا، ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ کے طریق جہاں بانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علی مرتضٰی کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے، تاہم آپ بیرونی امور سے غافل نہ رہے، چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا۔ **(فتوح البلدان بلاذری، باب سیستان و کابل)** اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔ **(ایضاً، ذکر فتوح السند)**

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش

امیر معاویہؓ نے ۴۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اس نے بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے مکہ و مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لیے بیعت لی پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے پہلے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس کو بسر بن ابی ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت و لعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ تہِ تیغ کر دیتا ہے، عبید اللہ بن عباسؓ نے اپنے کو اس کے مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی، بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہنچ کر

نہایت بے دردی کے ساتھ عبید اللہ بن عباسؓ کے دو صغیر السن بچوں اور شیعیان علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر تر کتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا، حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن وحجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا اور یہ تقریریں ایسی موثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہوگئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی رہ گئے، جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا، حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی، امیر المومنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گی، عام منادی کرا دیجئے کہ بلا استثنا ہر شخص کو میدانِ جنگ کی طرف چلنا پڑے گا اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی، اب صورتِ حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معقل بن قیس کو رسانیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر سپاہی بھی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں، لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس جاں گداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علیؓ، معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ صفحہ ہستی پر موجود ہیں، دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہوسکتی، چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہوگئے، عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا کہ میں علیؓ کے قتل

کا ذمہ لیتا ہوں، اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمرو بن العاصؓ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے، کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوبصورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا، اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰؓ کے خون کو مہر قرار دیا۔

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا، امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ اتفاقی طور پر بچ گئے، امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا، عمرو بن العاصؓ اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا، وہ عمرو بن العاصؓ کے دھوکے میں مارا گیا لیکن جناب مرتضیٰؓ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز ونیاز الٰہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی بن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ **(طبری ص ۲۴۵۷، ۲۴۵۸)**

حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی امید نہ تھی، اس لیے حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف ومدارات کی تاکید کی، جندب بن عبداللہ نے عرض کی، امیر المومنین آپ کے بعد ہم لوگ امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا: اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، تم لوگ خود اس کو طے کرو اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں، قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا۔ **(ایضاً ص ۲۴۶۱)**

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل وکمال اور رشد وہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز وتکفین کی، نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور عزیٰ نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔

خلافت مرتضوی پر ایک نظر

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دار الخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبۂ غیظ وغضب کو مشتعل کر دیا یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ حضرت زبیرؓ، طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہوسکتا تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفۂ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے۔

۱۔ حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

۲۔ اپنی خلافت میں قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص نہیں لیا۔

۳۔ محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بنا پر قرار پائے، اس لیے غور کرنا چاہئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰ کس حد تک اس میں معذور تھے، پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو، چنانچہ انصار کرام، بنو امیہ اور دوسرے وابستگانِ خلافت نے جب اپنے کو جاں نثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت

سختی کے ساتھ کشت وخون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا، چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ وغضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہوسکتی تھی، ام المومنین حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا تو مفسدین نے ان کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی، اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا، جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے۔ **(طبری ص ۳۸۰)** اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل وحرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی، چنانچہ ایک دفعہ حضرت حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گزارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو آج مطالبۂ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا، اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا کہ مقید۔ **(ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۸۱)**

البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے، اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بیشک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علیؓ کا فرض تھا لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پوری تفتیش وتحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا، اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جاسکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی، اس بڑی جماعت میں بعض صحابۂ کرام اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے، جن کا مطمحِ نظر صرف طلب اصلاح تھا، ان

لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہؓ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا۔

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوتِ بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے لیکن حضرت علیؓ اس میں مجبور تھے، اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے، شیعۂ عثمانؓ یعنی عثمانی فرقہ جو علانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہؓ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برسرِ حق سمجھتا تھا لیکن اپنے ورع وتقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابۂ کرام سے چلنے کے لیے کہا تو بہت سے محتاط صحابہؓ نے معذرت کی، حضرت سعد وقاصؓ نے کہا ''مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے، میں صرف اسی صورت میں جاں بازی کے لیے حاضر ہوں'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا: ''خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے''، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا کہ ''قبل اس کے کہ میری تلوار کسی مسلم کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر پٹک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی'' حضرت اسامہؓ بن زید نے عرض کی ''امیر المومنین! مجھے معاف کیجئے، میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا، غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا، تیسرا گروہ شیعیانِ علیؓ کا تھا، جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے، اس لیے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے تاہم آپ نے ان ہی لوگوں کو مقرب خاص بنایا جو درحقیقت اس کے اہل تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہِ نبوت تھے، محمد بن ابی بکر خلیفہ اول کے صاحب زادہ اور آغوش حیدر کے تربیت یافتہ تھے، اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح، نیک سیرت اور جاں نثار تابعی تھے۔

رعایا کے ساتھ شفقت

حضرت علیؓ کا وجود باوجود رعایا کے لیے آیۂ رحمت تھا بیت المال کے

دروازے غربا اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بار ہا بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا یہاں تک کہ ایرانی اس لطف وشفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے کہ خدا کی قسم اس عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

فوجی انتظامات

حضرت علیؓ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی، اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے، چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں ۴۰ھ میں جب امیر معاویہؓ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے ان ہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا، اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے، اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا۔ (طبری، ص ۳۴۵۰)

جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکۂ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائقِ ذکر ہے۔

مذہبی خدمات

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت اور تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وتلقین ہے، حضرت علیؓ عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے، چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوششوں سے پھیلی تھی، سورۂ برأت نازل ہوئی تو اس کی اشاعت وتبلیغ کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔

مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گوخانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی، تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے، ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو

گئے تھے، حضرت علیؓ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؓ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت علیؓ حدود کے اجرا میں کسی اصول کے پابند نہ تھے، زندہ جلا دینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے تو آپ نے اس فعل سے ندامت ظاہر فرمائی (ترمذی، حدود مرتد)، شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے۔ (کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد، کتاب الحدود)

درے مارنے والوں کو ہدایت دی کہ چہرہ اور شرم گاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑے مار سکتے ہیں، عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں عورت کو ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہئے۔ (کتاب الخراج ص ۹۷)

اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی، ''امیر المومنین میں نے چوری کی ہے، حضرت علیؓ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا: اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۳)

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے کافی

نہیں ہے، چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا، حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد نہیں جاری کی۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۴)

دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا، اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔ (کتاب الخراج ص ۱۰۰)

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھی ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضعِ حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے، جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔ (ایضاً ص ۸۸)

سزائیں

حضرت علیؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں، حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائیں جاری کی تھیں، چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑے کے بجائے سو کوڑے لگوائے کیوں کہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔ (ایضاً ص ۱۰۰)

خصائل

حضرت علیؓ کو بچپن ہی سے درگاہ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ (مسند، جلد اول ص ۷۷)

اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ (ایضاً ص ۸۵)

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔ (ایضاً ص ۸۰)

اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے

متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ **(مسند جلد اول ص ۱۴۶)**

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں بارگاہِ رسالت میں جناب امیرؓ کے اس تقرب وتربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے کہ:

آپ کے تقرب واختصاص کی بنا پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔ **(مسند جلد اول، ص ۸۳)**

بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی بھی تفسیر فرماتے تھے۔ **(ایضاً، ص ۸۵)**

چند مخصوص حدیثیں بھی قلم بند کرلی تھیں۔ **(ایضاً، ص ۷۹)**

غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابتدا ہی سے علم وفضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی، اس لیے صحابۂ کرام میں آپ غیر معمولی تبحر اور فضل وکمال کے مالک اور ''**انا مدینة العلم و علی بابها**'' (میں علم کا گھر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔ **(جامع ترمذی مناقب علیؓ مرتضیٰ میں ہے انا دار الحکمة وعلی بابها لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے، حاکم نے (مستدرک ج ۳ ص ۴۹۲) اس روایت کے متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن امام ذہبی نے ان کو صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے)**

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد کے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا: علیؓ سے جا کر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ کے پاس گیا، انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن اور

ایک رات تک۔ **(مسند ابن حنبل، ج ۱ ص ۹۶ و ج ۶ ص ۵۵)**

حضرت علیؓ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟ **(تاریخ الخلفا، سیوطی، بحوالہ سنن سعد بن منصور ومسند ہشیم)**

فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعتِ نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، بعض ایسے مسائل جو شرم وحیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ پوچھوا لیتے، چنانچہ مذی کا ناقص وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔ **(صحیح بخاری، کتاب الوضو)**

حضرت علی مرتضیٰؓ اپنے علم وکمال کی بنا پر متعدد مسائل میں عام صحابہؓ سے مختلف رائے رکھتے تھے؟ خصوصاً حضرت عثمانؓ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا مثلاً حضرت عثمانؓ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے اس لیے اب یہ جائز نہیں ہے، حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گذرا اور حکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا، اس لیے آپ کے مسائل واجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بنا پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبد

اللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علیؓ مرتضیٰ ہی کے ارشادات اور فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے کی صلاحیت

حضرت علیؓ ان ہی خصوصیات کی بنا پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لیے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہؓ عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ **اقضانا علی واقرأنا ابی** یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں علیؓ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں۔ **(طبقات ابن سعد، جلد ۲ ص ۱۰۲)**

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم تو (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔ **(مستدرک حاکم، جلد ۳ ص ۱۳۵)**

رسول کریم ﷺ کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت مرتضیٰ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علیؓ کو ''**اقضاھم علی**'' کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے، چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے وہاں کے عہدۂ قضا کے لیے آپ کو منتخب فرمایا، حضرت علیؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہیں ہوا۔ **(مسند ابن حنبل، جلد اول، ص ۸۳ و حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵)**

امانت و دیانت

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتدا ہی سے امین تھے رسول اللہ ﷺ کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں، جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی۔ **(اسد الغابہ، ج ۴ ص ۱۹)**

اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت

داری فرمائی، اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں، امام حسنؓ نے ایک نارنگی اٹھالی، جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کے لوگوں میں تقسیم کر دی۔ **(ازالۃ الخفا بحوالہ ابن ابی شیبہ)**

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں، ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا، اس میں ایک روٹی بھی تھی، حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا، ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نما زادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔ **(ایضاً بحوالہ ابو عمر، ص ۲۶۶)**

حضرت علیؓ کا زہد و تقویٰ

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا، آپ کے شانۂ فقر میں دنیاوی میں شان و شکوہ کا گذر نہ تھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میدان میں میرے لیے بس ہے۔

بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا، حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدۂ جنتؓ جو ساز و سامان اپنے میکے سے لائی تھیں اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا، چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا، معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا، بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ پر

پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کمالائیں، عوالی مدینہ (مدینہ کے قرب وجوار کی آبادی کا نام عوالی تھا) میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے، یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجور اجرت میں لی لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی، بجنسہٖ لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔ (مسند ابن حنبل ص ۱۳۵)

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا، موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نام ایک صاحب شریک طعام تھے، دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا: امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے، فرمایا: ابن زریر خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔ (مسند احمد جلد ا ص ۷۸)

در دولت پر کوئی حاجب نہ تھا، نہ دربان، نہ امیرانہ کروفر، نہ شاہانہ تزک واحتشام اور عین اس وقت جب قیصر وکسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر و جواہر اگل رہی تھی اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا'' ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: امیر المومنین! میں تہ بند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔ (ازالۃ الخفا بحوالہ ابو عمر (ابن عبدالبر))

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے

ہاتھوں سے انجام دیتی تھی، ایک مرتبہ شفیق باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ تھے، اس لیے واپس آکر سو رہیں، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کی اطلاع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح کی تعلیم دی'' (بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام)

حضرت علی کی عبادات

حضرت علیؓ خدا کے نہایت عبادت گزار بندے تھے، عبادت آپ کا مشغلۂ حیات تھا، جس کا شاہد خود قرآن ہے، کلام پاک کی اس آیت:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

ترجمہ: محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں، باہم رحم دل ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کرتے ہیں۔ (سورہ الفتح ۴۸:۲۹)

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے ابوبکرؓ صدیق اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے عمر ابن الخطاب رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے عثمان بن عفانؓ، رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی بن ابی طالبؓ اور يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں (تفسیر فتح البیان، ج۹) اس سے عبادات میں تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ رکوع وسجود تمام صحابہؓ کا مشترک وصف تھا پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کان ما علمت صواما قواما (ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہؓ)

جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گزار تھے۔

زبیر بن سعید قرشی کہتے ہیں:

لم ار ھاشمیا قط کان اعبد اللہ منہ (مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۱۰۸)

میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ خدا کا عبادت گذار ہو۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے، اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے، ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں، ابن کوا نے کہا کہ صفین کی شب میں بھی نہیں؟ فرمایا: صفین میں بھی نہیں"۔ (مسند ابن حنبل، ج ۱ ص ۱۰۷ و ابوداؤد، کتاب الادب)

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا جزبہ

حضرت علیؓ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے لیکن دل غنی تھا، کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا حتی کہ **قوت لا یموت** تک دے دیتے، ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا، ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا دی، حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا، اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا لیکن تیار رہوا کہ ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا، اسے بھی اٹھا کر اس کے نذر کیا، غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا، خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں **وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَ**

سِیْرًا (الدہر ۷۶: ۸) کی آیت نازل ہوئی۔ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ)

حضرت علیؓ کا تواضع

سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستار فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے، اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا، لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ عموماً کبھی جو تا ٹانکتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے، مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرشِ خاک پر بے تکلف سو جاتے، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ انہیں ڈھونڈھتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے، سرور کائنات ﷺ کو یہ سادگی نہایت پسند آئی، خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا: "اجلس یا اباتراب" (بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ)

مٹی والے اب اٹھ بیٹھ، زبانِ نبوی ﷺ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایامِ خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی، عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کی تہبند باندھتے، بازار میں گشت کرتے پھرتے، اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں والی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔ (تاریخ طبری ص ۳۳۴۸)

حضرت علیؓ کی شجاعت

شجاعت و بسالت حضرت علی مرتضیٰ کا مخصوص وصف تھا، جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا، آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔

اسلام میں سب سے پہلا غزوۂ بدر پیش آیا، اس وقت حضرت علیؓ کا عنفوانِ شباب تھا لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔

آغاز جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا، ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، غزوۂ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا، اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علیؓ مرتضیٰ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرطِ مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔

غزوۂ خندق میں بھی پیش پیش رہے، چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علیؓ مرتضیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی، آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی کہ خداوندا تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار ہو، اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کی۔

غزوۂ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا، جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں، چنانچہ دوسرے دن آپ نے حضرت علیؓ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا، اس کے جواب میں حضرت علیؓ مرتضیٰ رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا، خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

حضرت علیؓ کی خانگی زندگی

حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی، جب کہ سیدۂ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علاحدہ مکان میں رہنے لگے، اس سے پہلے آپ

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے کسب معاش کے لیے آپ کو کسی جد و جہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی، ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی، چنانچہ قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا، حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے۔ **(ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس)** آخر زرہ بیچ کر سامان کیا، اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سوا روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد جب علاحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی، چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی، اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا، محنت، مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گذر اوقات تھی، خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک قطعۂ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا، حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں باغِ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا، خلیفۂ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا، جس پر آخری لمحۂ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ خیال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ **(مسند ابن حنبل، ج ۱ ص ۱۵۹)**

اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی

لیکن رسول اللہ ﷺ ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صفائی کرا دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں، پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علیؓ نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا: اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہؓ کو اس قدر غم ہوا کہ اس کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا، حضرت علیؓ بھی ان کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔

حضرت فاطمہؓ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف ومحبت کے ساتھ پیش آئے، دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں، ان میں حضرت محمد بن حنفیہ سے بھی نہایت محبت تھی، چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ سے ان کے ساتھ لطف ومحبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی۔

حضرت علیؓ کی غذا ولباس

حضرت علیؓ کے غیر معمولی زہد وورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنا دیا تھا، کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے، عمدہ لباس اور قیمتی لباس کا بھی شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے العمامة تیجان العرب یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں، کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے، تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری نمائش اور طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا، پیوند لگے

ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا، تو فرمایا: یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں، بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر ''اللہ الملك'' نقش تھا۔

حضرت علیؓ پر سردی وگرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے غزوۂ خیبر میں ان کے لیے دعا فرمائی تھی اللّٰھم اذھب عنه الحر والبرد یعنی اس سے گرمی وسردی دور کر، اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ (مسند احمد، ج۱ ص۹۹)

حضرت علیؓ کا حلیہ

قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق وخوبصورت، سینہ چوڑا، اس پر بال بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر میں بال نہ تھے یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے، اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں، ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے، ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی، آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک دفعہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

حضرت علیؓ کی ازواج واولاد

سیدۂ جنت حضرت فاطمہؓ زہرا کے بعد جناب مرتضیٰؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئی، تفصیل حسب ذیل ہے:

● حضرت فاطمہؓ: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، ان سے ذکور میں حسنؓ حسینؓ، محسنؓ اور لڑکیوں میں زینب کبریٰؓ، اور ام کلثوم کبریٰؓ پیدا ہوئیں، محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

● ام البنین بنت حزام: ان سے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے، ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

● لیلیٰ بنت مسعود: انہوں نے عبید اللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔

● اسماء بنت عمیس: ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے۔

● صہبا، یا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں، ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں، عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاسی برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔

● امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

● خولہ بنت جعفر: محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

● ام سعید بنت عروہ: ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

● محیاط بنت امرء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی۔

● متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں: ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ، ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔ غرض حضرت علیؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلۂ نسب جاری رہا، ان کے نام یہ ہیں: امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد بن حنفیہؒ، عمرؓ ۔۔۔ رضی اللہ ورضوا عنہ عنہم

اللہ تعالیٰ حضرت علیؓ کی سیرت سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب

محمد سرور فاروقی ندوی

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۴/۴/۲۰۲۰ء

غیر مسلم بھائیوں کے مطالعہ کے لئے مفید کتابیں

(درج ذیل ترتیب کے مطابق مفتی محمد سرور فاروقی ندوی کی ہندی تصانیف)

نمبر	کتاب	قیمت
۱	سرشٹی کا شرشٹا کون؟	25
۲	مانو ایکتا اور شانتی سندیش	30
۳	قرآن کیا ہے؟	30
۴	پیارا رنگ ہیم اور انسان کا پریشوں سے سمبندھ	30
۵	بالکوں سمبندھی اپدیش	30
۶	اسلام دھرم تلوار سے پھیلا یا سدا چار سے	60
۷	انتم سندیشٹا کہاں کب اور کون؟	150
۸	اسلامی راجیہ کی شاسن ویوستھا	60
۹	جہاد اور آتنکواد میں انتر	30
۱۰	غیر مسلموں کے ساتھ ویوہار (اتہاس کی روشنی سے)	60
۱۱	کفر اور شرک کی حقیقت (قرآن وسنت کی روشنی میں)	90
۱۲	اسلام؟	10
۱۳	لا الٰہ الا اللہ کی گواہی	20
۱۴	توحید کی حقیقت (قرآن وسنت کی روشنی میں)	40
۱۵	جہاد آتنکواد اور اسلام	180
۱۶	جنت کے حالات اور جنتی (قرآن وسنت کی روشنی میں)	100
۱۷	اسلام دھرم کیا ہے؟ (قبول حق کے بعد اسلامی کورس)	250
۱۸	پوتر قرآن کا سندیش انسانی دنیا کے نام	20
۱۹	قرآن کا پیغام (پارہ عم ترجمہ اور تشریح)	180
۲۰	قرآن کا پیغام (قرآن کا آسان ہندی ترجمہ)	130
۲۱	تفسیر فاروقی (قرآن کی ہندی تفسیر)	4200
۲۲	رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک اور آپ کی شخصیت	80
۲۳	رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ زندگی	35
۲۴	حضرت محمد ﷺ کی باتیں	50
۲۵	اسلامی وراثت کی تقسیم	30

غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے معاون کتابیں

نمبر	کتاب	قیمت
۱	اعمال کو باطل کرنے والی چیزیں اور دین کی حقیقت	30
۲	خالق کا کائنات اور انسان سے تعلق	30
۳	غیر مسلموں میں طریقہ دعوت اسلوب انبیاء کی روشنی میں	90
۴	ہندو دھرم گرنتھ کی تعلیم اور انسان کا تعارف	150
۵	آخری رسول کہاں کب اور کون؟	150
۶	حضرت محمد ﷺ کا ذکر ویدوں اور دوسری مذہبی کتابوں میں	45
۷	غیر مسلموں سے دینی گفتگو (اعتراضات کے جوابات)	40
۸	اسلام کے خلاف الزامات اور ان کی دعوت کا اثر	60
۹	قرآن میں انسان کا مقام اور اس کی اصل مقصد	30
۱۰	قرآن کے اصول اور زندگی	30
۱۱	غیر مسلموں سے تعلقات اور دینی آزادی	35
۱۲	حضرت محمد ﷺ اور یورپ	45
۱۳	قرآن کا پیغام (قرآن کا آسان ہندی ترجمہ)	300
۱۴	تفسیر فاروقی (قرآن کی ہندی تفسیر جلدوں میں)	4200
۱۵	امت محمدیہ کی عزت کا معیار	30
۱۶	اسلام میں تہذیب اور مذہب کے اختیارات	20
۱۷	تصور خدا اور اسلام (مذاہب عالم کی روشنی میں)	30
۱۸	مسلمانوں کے فرقے اور ان کے عقائد	75
۱۹	اسلامی معاشیات کا تقابلی جائزہ (تاریخ کے آئینہ میں)	30
۲۰	ہندو دھرم اور اسلام	30
۲۱	زبردستی اسلام قبول کروانے کی ممانعت (قرآن وسنت کی روشنی میں)	50
۲۲	اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق	50
۲۳	جہاد آتنکواد اور اسلام	180
۲۴	اسلام دھرم تلوار سے پھیلا یا سدا چار سے	60
۲۵	نبیوں کی دعوت و تبلیغ کے پانچ اہم صفات	400
۲۶	اسلامی راجیہ کی شاسن ویوستھا	60